قائدِ شریعت شیخ الحدیث مولانا عبد الحقؒ

عظیم شخصیّت عظیم کردار

میاں حضران بادشاہ فقیر خیل اکوڑہ خٹک

تمہید

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ صاحب مرحوم میرے چچا الحاج میر احمد گُل مرحوم عرف شیخ میاں صاحب کے بہت گہرے دوست تھے اور دونوں کے ایک دوسرے کے ساتھ بھائیوں جیسے اچھے تعلقات اور گہرے روابط تھے۔ مولانا صاحب مرحوم خود فرمایا کرتے تھے کہ شیخ میاں صاحب کا دل و دماغ اور زبان ایک ہے۔ یعنی جو کچھ دل و دماغ میں ہوتا ہے وہی زبان پر بھی۔

دارالعلوم حقانیہ کی بنیاد رکھنے میں بھی شیخ میاں صاحب صفِ اوّل کے رفقاء میں تھے۔ دارالعلوم میں دارالحدیث بھی شیخ میاں صاحب کا تعمیر کردہ ہے جس پر اب بھی مرحوم کے نام کی تختی لگی ہوئی ہے ـــ شیخ میاں صاحب مرحوم جمعہ کی نماز بہت باقاعدگی سے حضرت شیخ الحدیثؒ کے ساتھ اکوڑہ خٹک میں پڑھتے تھے اور اکثر اوقات جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی رات مولانا صاحبؒ کے ساتھ رہتے تھے۔

پہلا انتخابی معرکہ

۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں شیخ میاں صاحبؒ نے زبردست کردار ادا کیا تھا اور مولانا صاحبؒ کیلئے جیپ بھی شیخ میاں صاحبؒ نے ہی خریدی تھی۔ مولانا سمیع الحق صاحب کی زبانی سُنا ہے کہ ہم انتخابی دورے پر موضع ڈھگڈنگ ایک ٹانگہ پر جا رہے تھے کہ راستے میں ٹانگہ کا پہیہ نکل گیا اور ہم سارے حیران و پریشان ہو گئے۔ شیخ میاں صاحبؒ نے فوراً فرمایا کہ چلو واپس چلتے ہیں، میرے پاس گھر میں چھ سات (۶/۷) ہزار روپیہ ہے۔ اس رقم سے پُرانی جیپ یا کوئی اور گاڑی خرید لیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ ساڑھے پانچ ہزار پر ایک ۱۹۴۲ء ماڈل جیپ خریدی گئی اور مولانا صاحبؒ کی دعاؤں سے جیپ نے خوب کام سرانجام دیا اور اسی جیپ سے سارا انتخابی معرکہ چل پڑا اور لوگ یہی کہتے تھے کہ اس جیپ پر بھی مولانا صاحبؒ کی کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں ـــ بعض اوقات اتنے لوگ جیپ کے اندر اور باہر سوار ہو جاتے کہ جیپ کی باڈی بمشکل نظر آتی تھی، اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مولانا صاحب مرحوم اجمل خٹک کے مقابلے میں کامیاب ہوئے اور اسکے بعد بھی دو دفعہ اسی حلقہ سے ایم این اے منتخب ہوتے تھے۔

۱۹۷۰ء میں ملک میں عام انتخاب بہت غیر جانبداری کے ساتھ ہوئے۔ اس وقت یحییٰ خان ملک کا صدر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تھا۔ اس نے فوج کی نگرانی میں بہت اعلیٰ اور غیر جانبداری سے انتخابات کرائے۔ بعد میں انتخابات کے نتائج کیا نکلے اور کیا ہوا؟ یہ ایک الگ دردناک داستان ہے جو کہ اس موضوع کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی۔

مذکورہ انتخابات میں مولانا صاحب مرحوم کے مدِمقابل اکوڑہ خٹک کے رہنے والے مسٹر اجمل خٹک تھے جو کہ نیشنل عوامی پارٹی کے صفِ اوّل کے لیڈروں میں سے ہیں اور اُس وقت بھی تھے۔ اور پاکستان پیپلز پارٹی کی طرف سے (جو کہ اُس وقت نئی نئی اور بڑے زور شور اور عروج پر تھی) جناب نصر اللہ خان خٹک آف مانکی شریف مولانا صاحب مرحوم کے مدِمقابل تھے۔

مسٹر اجمل خٹک کو اپنی پارٹی کی طرف سے ہر قسم کی مالی اور جانی امداد بھرپور طریقے سے حاصل تھی۔ اور دوسری طرف پی پی پی کی طرف سے ایک بہت بڑے مالدار اور دُنیا دار مسٹر نصر اللہ خان خٹک تھے۔ جن کا خاندان مالی اور کاروباری لحاظ سے اور تعلقاتِ عامہ میں بھی کسی سے کم نہ تھا۔ کھڑے ہوئے۔

مولانا صاحب مرحوم کا ایک مثالی اور منفرد کردار یہی رہا کہ پورے انتخابی معرکے میں مولانا صاحبؒ اپنے حلقے کے گاؤں گاؤں یا قصبے قصبے تشریف نہ لے جاسکے کہ میں آیا ہوں اور مجھے ووٹ چاہیئے! بلکہ اُن کا یہی نظریہ تھا اور اُن کا یہ نظریہ مذہب اسلام کے عین مطابق تھا) کہ عوام / لوگ خود فیصلہ کریں کہ ووٹ کس شخص کے حق میں استعمال ہونا چاہیئے اور اگر اپنے بارے میں لوگوں سے ووٹ کا مطالبہ کیا جائے تو یہ ایک دعویٰ ہے اور اپنے لیے صلاحیت کی شہادت ہے جبکہ میں اس کا اہل نہیں ـــ

مولانا صاحبؒ ایک زبردست انتخابی معرکے کے بعد خدا کے فضل و کرم سے انتخابات میں تحصیل نوشہرہ سے قومی اسمبلی کے ممبر M.N.A منتخب ہوئے۔

دُوسرا انتخابی معرکہ

مولانا صاحب مرحوم جب دوبارہ ۱۹۷۷ء میں قومی اسمبلی کے ممبر (M.N.A) منتخب ہوئے تو اتفاق سے اُنہی پرانے مدمقابل میں سے ایک شخص مسٹر نصراللہ خان خٹک جو کہ اُس وقت صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے) سے مقابلہ تھا۔

ایک طرف وزیر اعلیٰ کے پورے حکومتی وسائل، اختیارات، مال و دولت، سرکاری صوبائی انتظامیہ اور شان بان تھی اور دوسری طرف ایک بزرگ عالم دین، دُنیاوی وسائل بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر، ایک فقیر و درویش لیکن دیانتداری، ایمانداری، اسلام اور قومی و ملّی خدمات کا جذبہ تھا کہ عوام نے مولانا صاحب کو ووٹ دیئے اور بہت بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے اور فریق مخالف جو کہ صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے کہ جن کے یہ الفاظ خاص و عام میں مشہور اور تاریخ کے اوراق میں منقوش ہیں کہ میرا مقابلہ ایک عالم دین سے نہ تھا بلکہ ایک پیغمبر سے تھا۔

۱۹۷۸ء میں ہمارے چچا شیخ میاں صاحبؒ فوت ہوئے اور مولانا صاحب سے میرے براہ راست تعلقات استوار ہوئے۔ میں شروع ہی سے مولانا صاحب کو بہت گہری نظر سے دیکھتا اور مطالعہ کیا کرتا تھا۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جو حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ اخلاق و محبت اور شرافت و تواضع کے معیار پر پورا پورا اترتا ہو۔ ۱۹۷۸ء کے بعد میری کوشش رہی تھی کہ ہفتے میں کم از کم ایک بار ضرور مولانا صاحب مرحوم سے ملاقات کروں اور دعا سے مستفید ہوتا رہوں۔ مولانا صاحبؒ کی دعا میں ایک خاص اثر تھا اور جاذبیت بھی۔ یہی وجہ تھی کہ اکثر لوگ زیادہ تر دعا کے لیے جمعہ شریف کی نماز اکوڑہ خٹک میں مولانا صاحب مرحوم کے ساتھ پڑھتے تھے تاکہ نماز کے بعد اس خاص دعا میں شمولیت حاصل ہوسکے۔ نماز کے فوراً بعد دُور دراز سے آئے ہوئے مسافر مہمان مولانا صاحبؒ سے معانقہ کرتے اور دعا کے لیے درخواست کرتے۔

حضرت مولانا صاحبؒ پر روحانیت کے اثرات بہت زیادہ تھے اور مولانا صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے علم اور عقل و دانش کے ساتھ ساتھ زبردست نورانی اور خوبصورت چہرہ بھی دیا تھا اور آواز کا انداز بھی محبوبانہ تھا۔ مولانا صاحب مرحوم کی محفل سے اٹھنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ ہر صاحب کی یہ تمنا ہوتی تھی کہ مولانا صاحبؒ کے ساتھ یہ محفل و نشست زیادہ وقت کے لیے ہو اور میں زیادہ دیر تک فیضیاب ہوتا رہوں۔ اور لوگ دُور دُور سے یعنی سارے ملک سے مولانا صاحبؒ سے دُعائیں اور رُوحانی فیوض و برکات حاصل کرنے آتے تھے۔

مسٹر بھٹو اور اظہار عقیدت

حضرت شیخ الحدیثؒ کی روحانی عظمت علمی وجاہت عوام، اپنے حلقہ ارادت کے علاوہ خواص تک میں مسلّم تھی حتیٰ کہ سابق وزیر اعظم مسٹر بھٹو بھی آپ کی شخصیت سے متاثر تھے۔ ۱۹۷۰ء میں جب مغربی پاکستان کی اسمبلی جس کو بعد میں پاکستان قومی اسمبلی کا نام دیا گیا۔ نئی تشکیل شدہ قومی اسمبلی نے کام شروع کیا تو وزیر اعظم مسٹر بھٹو نے راولپنڈی کے فلیش مینز ہوٹل میں تمام سیاسی لیڈروں اور ممبران اسمبلی کو دعوت دی تھی، جب دعوت ختم ہوئی اور ممبران صاحبان رخصت ہو رہے تھے تو مسٹر بھٹو نے ماسوائے مولانا صاحبؒ کے اور کسی ممبر کا گاڑی تک ساتھ نہیں دیا اور مولانا صاحبؒ کو گاڑی میں بٹھا کر واپس ہوئے۔ اس موقع پر میں حضرت شیخ الحدیث کے ساتھ تھا میرے خیال میں یہ مسٹر بھٹو جیسے شخص کے لیے بہت بڑی بات تھی اگر بالفرض روحانی گرویدگی اور تاثر نہ ہوتا تب بھی مسٹر بھٹو اس کو اپنے لیے ایک بہت بڑا اعزاز سمجھتے تھے۔

محبوبیت عامہ

مجھے خوب یاد ہے کہ ایک مرتبہ مجھے حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ لاہور جانا پڑا، غالباً مولانا فضل الرحیم صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ (قدیم) کے بھائی فوت ہوئے تھے، مولانا صاحبؒ اُن کی تعزیت کے لیے تشریف لے گئے۔ واپسی پر رات کے بارہ بجے ہم گوجرخان (پنجاب) پہنچے۔ جونہی ہم گوجرخان پہنچے اور جی ٹی روڈ پر ہوٹلوں کے سامنے گاڑی کھڑی کی۔ اس جگہ پر تین ہوٹل بالکل متصل تھے۔ ان ہوٹلوں سے اکثر ٹرک ڈرائیور کھانا کھایا کرتے تھے اور زور شور سے زمانے کے ناجائز رواج کے مطابق فلمی ریکارڈ اونچی آوازوں سے لگے ہوئے تھے۔ جونہی مولانا صاحبؒ نے گاڑی سے قدم زمین پر رکھے اور جس ہوٹل میں ہم کھانا کھانا چاہتے تھے وہ تو درکنار قریب کے تمام ہوٹلوں میں یکدم ریکارڈنگ بند ہوگئی اور لوگ مولانا صاحبؒ کی طرف لپک آئے۔

میرے خیال میں یہ تمام کاروائی مولانا صاحبؒ کی روحانیت سے ہوا دور دراز کے لوگ بھی حضرتؒ کی شخصیت سے متاثر تھے۔ ورنہ آجکل زمانے میں ریکارڈنگ تو معمولی بات ہے لوگ بڑے بڑے گناہ سرعام کرتے ہیں اور شرم وحیاء کا نام تک نہیں لیتے۔

دارالعلوم کے کام کو اسمبلی پر ترجیح دیتے

دارالعلوم حقانیہ کے ساتھ مولانا مرحوم کو بہت زیادہ محبت اور لگاؤ تھا، وہ اس کو ہر وقت سرسبز و شاداب اور آباد دیکھنا چاہتے تھے۔ طلباء کے ساتھ بہت زیادہ پیار محبت اور ہمدردی کیا کرتے تھے۔ اکثر رات کو قومی اسمبلی کی کاروائی ۱۰/۱۱ بجے ختم ہوتی اور مولانا صاحبؒ عندیہ ظاہر کرتے تھے کہ چلو گاؤں چلتے ہیں صبح پھر آئیں گے۔ ہم کہتے کہ جی رات کو دیر سے پہنچیں گے اور صبح صبح پھر واپسی ہوگی تو بہتر یہی ہے کہ رات یہیں اسلام آباد میں گذار لیں، تو مولانا صاحبؒ فرماتے کہ دارالعلوم حقانیہ کا کچھ کام ہو جائے گا اور مدرسین صاحبان سے صبح صبح بات چیت و ملاقات بھی ہو جائے گی، اور مجھے اسمبلی سے زیادہ امور دارالعلوم حقانیہ عزیز ہیں۔

عاشق رسولؐ

الغرض مولانا صاحبؒ سچے عاشق رسول تھے۔ اُن کی اسلام سے بے پناہ محبت عارضی یا دُنیاوی مقاصد کے لیے نہ تھی، وہ صدق دل سے سچے مسلمان تھے۔ جہاں کہیں بھی اسلام سے تضاد کی بات

آتی یا اسلام سے ٹکراؤ کا مرحلہ آتا تو مولانا صاحبؒ بے حد بیقرار و بے چین اور فکر مند ہو جایا کرتے تھے۔

فتنہ قادیانیت کا تعاقب — میرے علم میں جو واقعات ہیں اُن میں سے سرفہرست افغانستان کا مسئلہ اور قادیانی مسئلہ ہے ۔۔۔ ۱۹۷۴ء میں جب قادیانی مسئلہ نے زور پکڑا اور تحریک عروج پر پہنچ گئی تو مولانا صاحبؒ نے اس مسئلہ میں سب سے زیادہ متحرک اور انقلابی کردار ادا کیا۔ مولانا صاحبؒ نام و نمود کے قائل نہ تھے وہ عالم باعمل تھے اُن کو یہ شوق نہ تھا کہ تحریکوں میں یا اجتماعی سیاست میں مجھے کوئی عہدہ ملے، ان کی سوچ اور فکر یہی تھی کہ کسی طرح اسلام کا غلبہ ہو، اسلام سر بلند ہو، مسلمان امن سے ہوں، اسلامی نظام نافذ ہو، شریعت محمدیؐ کی ترویج ہو، ملکِ عزیز کا قانون اسلام ہو، اس کے نفاذ و ترویج کی سعادت چاہے کسی کو بھی حاصل ہو، کریڈٹ جس کے نام جاتا ہے جائے لیکن کام اسلام کے لیے ہو۔

میرے اپنے مشاہدے کی بات ہے کہ قادیانی مسئلہ جب قومی اسمبلی میں اٹھایا گیا تو قادیانیوں نے قومی اسمبلی میں بڑی مہارت اور چالاکی کے ساتھ اپنے آپ کو مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ ان کے جواب میں تحریک کے راہنماؤں مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا مفتی محمودؒ اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہم نے ہنگامی طور پر "قادیانیت اور ملت اسلامیہ کا موقف" نامی کتاب تیار کی۔ اس کتاب کی تقریباً تمام تر تیاری تحریک ختم نبوت کے رہنماؤں اور مولانا صاحب کی زیرِ نگرانی ہوئی۔ اس کی ترتیب و تحریر میں آپ کے صاحبزادہ مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ اور کراچی کے مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کا بنیادی کردار ہے، کتاب کا نصف حصہ مولانا سمیع الحق صاحب اور نصف حصہ مولانا عثمانی صاحب نے تحریر کیا، جسے مولانا مفتی محمودؒ نے قومی اسمبلی میں پڑھ کر سنایا، جس سے مسٹر بھٹو کی حکومت مجبور ہو گئی اور قادیانیوں کو سرکاری طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔

قومی اسمبلی میں کردار — اسی طرح قومی اسمبلی میں مولانا صاحب کی تقریریں، مباحثے، قراردادیں اور مساعی برائے نفاذ شریعت تاریخ کا ایک سنہری باب ہیں اور یہ ساری باتیں ریکارڈ پر ہیں۔ جیسے قومی اسمبلی کے سیکرٹریٹ کے ریکارڈ سے مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے "قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ" کے نام سے مرتب کیا ہے۔

وزیر قانون کا اعتراف — مسٹر بھٹو کی حکومت کے وزیر قانون مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ جن کا براہِ راست قادیانی مسئلے سے تعلق تھا، اکثر و بیشتر مولانا صاحبؒ سے صلاح مشورہ اور فقہ و شریعت کے متعلق پوچھا کرتے تھے، چونکہ مولانا صاحبؒ بہت فراخ دل اور اسلام کے سچے شیدائی تھے، انہوں نے ہمیشہ بہت مفید مشورے دیئے۔ وزیر موصوف کی یہ بات بھی خود میں نے اپنے کانوں سے سُنی ہے کہ ایک دفعہ وزیر قانون حضرت مولانا صاحبؒ سے باتیں کر رہے تھے، وزیر موصوف نے کہا کہ مولانا صاحب "جس وقت میں وزیر قانون نہ تھا اور آپ اکثر و بیشتر قادیانی مسئلہ اٹھاتے رہتے تھے تو میں یہ سوچتا تھا کہ یہ مولوی لوگ ویسے ہی تنگ نظری اور انتہاپسندی سے کام لیتے ہیں، سب پاکستانی ہیں چاہے قادیانی ہوں یا سُنی وغیرہ ان میں کوئی فرق نہیں۔ اور جس وقت میں نے وزارت قانون کا قلمدان سنبھالا تو میرے لیے سب سے اہم اور سنجیدہ مسئلہ یہی پیش کیا گیا، تب مجھے سمجھ آئی کہ واقعی میں غلطی پر تھا اور یہ ہمارے علماء کرام بڑے دور اندیش اور اپنے مشن میں حق بجانب ہیں۔"

مارشل لاء دور میں اظہارِ حق — اسی اسلامی جذبۂ خدمت اور ملک میں نفاذِ شریعت کی تمنا کے پیش نظر مولانا صاحبؒ جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کو خصوصیت سے مشورہ دیا کرتے تھے اور اپنے صاحبزادہ مولانا سمیع الحق صاحب کو مجلس شوریٰ میں بھی بھیجا تھا تاکہ حکومت کے ایوانوں میں اسلامی نظام کی بات مؤثر رہے اور آگے بڑھائی جاسکے۔ اس پر بعض لوگ مولانا صاحبؒ سے اکثر یہ سوال کیا کرتے تھے کہ آپ نے مارشل لاء کی مجلس شوریٰ میں اپنے برخوردار کو کیوں بھیجا ہے؟ آپ جواباً فرماتے کہ میرا مشن صرف اور صرف اسلامی نظام کا نفاذ ہے اور میری سیاست میں، میری سوچ میں اور میرے عمل میں صرف اسلام ہی کو ترجیح حاصل ہے۔ جب حکومت اسلامی نظام کے نفاذ کی دعویدار ہے اور صدر ضیاء الحق بار بار اسلام اور اسلامی نظام کی بات کرتے ہیں تو بطور اتمامِ حجت اُن پر اور دنیا پر واضح کر دیا ہے کہ اصل اسلام وہ ہے جس کی تصدیق محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کرتے ہیں اور جس کو علماء اسلام ہی جانتے ہیں۔ جب صدر ضیاء الحق اسلامی نظام کی بات کرتے ہیں تو ہمیں اس سلسلہ میں حکمت و تدبیر سے کام لینا ہوگا۔

چنانچہ ۱۹۸۵ء میں حضرت مولانا صاحبؒ نے انہی مذکورہ جذبات کے تحت انتخابات میں حصہ لیا اور بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔ مولانا صاحبؒ کا یہ خیال تھا کہ اگر علماء اسمبلی میں نہ جائیں، اسلام کے لیے، شریعت اور حق و صداقت کے لیے آواز بلند نہ کریں تو جو معمولی آواز اسلام اور اسلامی قانون کے لیے اُٹھتی رہتی ہے وہ بھی ختم ہو جائے گی ۔۔۔ یہ تو کسی مسئلے کا حل نہیں کہ ہم ایک کونے میں گوشہ نشین بن جائیں کہ جی حکمران اسلام کی بات مانتے اور سنتے نہیں ہیں تو ہم اسمبلی اور سیاست میں بھی نہیں جاتے۔ بلکہ مسلسل اسلام کے لیے جدوجہد، محنت، تحریک کے ذریعہ آواز اٹھانا، اسی عمل سے اسلام زندہ رہے گا اور اللہ کے فضل و کرم سے تابندہ رہے گا۔

۱۹۸۵ء کے انتخابات سے تحریک نفاذ شریعت تک — چنانچہ مولانا صاحبؒ کے مشورہ سے ہی حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ، سینیٹ (ایوان بالا) کے ممبر منتخب ہوئے۔ سینیٹ میں جاتے ہی مولانا قاضی عبداللطیف صاحب مدظلہ کی معیت میں

شریعت بل پیش کیا، پھر حضرتؒ ہی کی توجہ اور مشاورت سے دینی اور اسلامی قوتوں پر مشتمل متحدہ شریعت محاذ بنایا، حضرت مولانا صاحبؒ اس کے صدر منتخب ہوئے، سارے ملک میں تحریک چلی، ملک کا چپہ چپہ اور بچہ بچہ شریعت بل سے متعارف ہُوا۔ خود حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نے ضعف و علالت اور اور پیرانہ سالی کے باوصف ملک بھر کا دورہ کیا۔ مانسہرہ، پشاور، مردان اور بنوں میں علماء کنونشن طلب کیے، ہر جگہ ہزاروں علماء نے تحریک نفاذِ شریعت کے لیے قربانی اور جہاد کی غرض سے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ مانسہرہ میں تین ہزار علماء نے آپ کو قائدِ شریعت کا خطاب دیا۔

جب جنرل ضیاء الحق مرحوم نے اسمبلیاں توڑیں اور نومبر ۱۹۸۸ء کے انتخابات کے بعد پیپلز پارٹی کا دور شروع ہُوا تو مولانا سمیع الحق صاحب نے سینٹ سے شریعت بل پاس کرالیا جبکہ اس سے قبل عورت کی حکمرانی کے خلاف متحدہ علماء کونسل تشکیل دی، مولانا سمیع الحق مدظلہ اس کے سیکرٹری جنرل مقرر ہوئے۔ سینٹ سے شریعت بل کیا منظور ہُوا گویا پیپلز پارٹی کے ایوانِ حکومت میں ایٹم بم آن گرا ہو۔ مولانا سمیع الحق صاحب کی دعوت پر آل پارٹیز شریعت کانفرنس منعقد ہوئی اور تحریک نفاذِ شریعت کی تشکیل کی گئی، مولانا سمیع الحق مدظلہ اس کے سیکرٹری جنرل مقرر ہوئے۔ تحریک نفاذِ شریعت کے پلیٹ فارم پر ملک بھر کی سیاسی جماعتیں متحد ہوگئیں۔ امریکہ بہادر کو شریعت بل قطعی طور پر پاس ہوتا نظر آیا تو اسمبلیوں کی بساط ہی لپیٹ دی گئی۔ مولانا سمیع الحق مدظلہ کے اس تمام کردار اور دینی خدمات میں مولانا عبدالحقؒ کی مشاورت اور راہنمائی اور دعائیں شامل تھیں لہٰذا اجر و ثواب میں بھی وہ برابر کے شریک ہیں۔

جہادِ افغانستان، صدر ضیاء الحقؒ اور مولانا عبدالحقؒ

ایک مسئلہ جس پر مولانا عبدالحقؒ نے صدر ضیاء الحق مرحوم کی بھرپور حمایت کی، وہ مسئلہ جہادِ افغانستان کا تھا۔ یہ مسئلہ سرزمین افغانستان پر روسیوں کی حملہ آوری یا چند کمیونسٹوں کی دعوت پر افغانستان میں روسی فوج کی آمد کی وجہ سے پیدا ہُوا۔ مولانا عبدالحقؒ نے اپنی اسلام نوازی اور مذہبی جوش و جذبہ سے مجبور ہو کر جہادِ افغانستان میں زبردست حصہ لیا اور اسی جذبۂ ایمانی کے تحت مسئلہ افغانستان میں جنرل ضیاء الحق مرحوم کی بھرپور حمایت کی۔ مولانا صاحب بڑے غیور، مدبر، ذہین، دور اندیش، مفکرِ اسلام اور جید عالمِ دین تھے، ان کو معلوم تھا کہ حکمران کی نیت اور جذبۂ عمل سے قوم و ملک اور ایسی تحریکِ مزاحمت پر جو آجکل افغانستان میں شروع ہے بہت گہرے اثرات پڑتے ہیں۔ خدانخواستہ اگر جہادِ افغانستان کے آغاز کے وقت یا درمیانی مدت میں کوئی اور پاکستان کا حکمران ہوتا یا صدر ضیاء الحق مرحوم کے ساتھ جہادِ افغانستان میں مولانا عبدالحقؒ اور آپ کے رفقاء کی حمایت اور تعاون نہ ہوتا تو یقینی بات ہے کہ جہادِ افغانستان کے نتائج بہت خطرناک، شرمناک اور تباہی و بربادی کے سوا اور کچھ نہ ہوتے اور المیۂ مشرقی پاکستان کے بعد دوسری بڑی بدنامی مسلم تاریخ کا ایک شرمناک باب بن جاتی۔

ان تمام وجوہات اور حالات کی بناء پر مولانا صاحبؒ نے جہادِ افغانستان میں صدر ضیاء الحق مرحوم کا ساتھ دیا کیونکہ یہ مارشل نہ ظالم تھا اور نہ عیاش نہ کم عقل بلکہ اُس وقت کے مخصوص حالات نے جنرل ضیاء الحق کو مارشل لاء لگانے پر مجبور کردیا تھا۔ صدر ضیاء الحق کا مارشل لاء اب کی مؤنث جمہوریت سے ہزار درجہ بہتر تھا۔

جہادِ افغانستان کو ہمہ وقتی ضروری مسئلہ سمجھتے تھے

مولانا عبدالحق صاحبؒ کا افغان جہاد میں بہت اہم کردار اور بڑا حصہ ہے۔ آپ نے اپنے ہزاروں تلامذہ کو عملاً میدانِ کارزار میں بھیجدیا ہے، محاذِ جنگ کی قیادت انہی کے ہاتھ میں ہے۔ مولانا صاحبؒ شب و روز جہادِ افغانستان کی مکمل حمایت ہر میدان، ہر محفل، ہر تقریر اور تحریر میں جہاد کا ذکر کیا کرتے تھے۔

اپنی ملاقات کے لیے آنے والوں ہزاروں اضیاف اور اپنے علاقے کے عوام و خواص کو بھی جہادِ افغانستان میں ہر ممکن مدد اور نصرت کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ہمارے علاقہ (تحصیل نوشہرہ) میں بہت زیادہ تعداد میں افغان مہاجرین آباد ہیں اور عام لوگوں یعنی پاکستانیوں میں گھل مل گئے ہیں۔ اس میں حضرت شیخ الحدیثؒ کی تبلیغ اور ترغیب کا بڑا دخل ہے۔

افغان مجاہدین سے رابطہ و تعلق

اور علاقے کے لوگوں نے بھی انہیں (مہاجرین کو) صدقِ دل سے مہمان اور گویا اپنے عزیزوں کا درجہ دیا ہے۔ جہادِ افغانستان میں مولانا صاحبؒ کے بے شمار شاگرد (بطور مجاہد، بطور سپہ سالار مجاہد فورسز کے) بر سرِ پیکارِ عمل ہیں جن میں سے بہت سارے شاگرد شہادت کا درجہ حاصل کرچکے ہیں اور بہت سارے غازی بن گئے ہیں۔

چونکہ مولانا صاحب کے لاتعداد شاگرد افغان جہاد میں شامل تھے اس لیے تقریباً ہر روز کی کاروائی کوئی نہ کوئی شاگرد آن کو سنا دیا کرتا تھا اور مولانا صاحبؒ بھی ان کو مزید ہدایات دیتے اور جذبہ جہاد سے روشناس کرتے تھے۔ اور مجاہدین کے لیے نقدی، پیغام، مشورہ اور سامان بھی بھیجا کرتے اور اپنی مؤثر تعلیمات اور ہدایات سے مجاہدین کے جذبات و احساسات اور ذمہ داریوں میں نئی روح، نیا جوش و ولولہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ ان مجاہدین پر مولانا صاحبؒ کے اس طرزِ فکر و عمل کا کافی اثر تھا وہ اکثر اوقات خود حاضر ہوتے اور گھمبیر حالات میں میدانِ جہاد سے مولانا صاحب کو دعاؤں کے لیے خصوصی خطوط لکھا کرتے تھے۔

افغان قیادت

جہادِ افغان کے سرکردہ مجاہدین اور افغان قیادت میں سے بھی اکثر لیڈر مولانا صاحب کے شاگرد ہیں۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کی معرکۃ الآراء تصنیف "کاروانِ آخرت" میں

میدانِ کارزار میں شہید ہونے والے بعض حقانی فضلاء کا تذکرہ بڑا سبق آموز اور فکر انگیز ہے۔

افغان قیادت میں مولانا محمد یونس خالص اور مولانا جلال الدین حقانی حضرت شیخ الحدیثؒ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ افغان عبوری حکومت کے سربراہ مولانا صبغۃ اللہ مجددی، عبدالرب رسول سیاف، پروفیسر ربانی، مولانا محمد نبی محمدی، انجینئر گلبدین حکمت یار، پیر گیلانی، یہ سب لوگ مولانا صاحب مرحوم کے عقیدتمند، معتقدین اور مولانا سمیع الحق مدظلہ کے قریبی رفقاء میں سے ہیں۔

مولانا سمیع الحق اور جہادِ افغانستان کی خاموش سفارتی مہم

اپنے دورۂ امریکہ میں بھی مولانا سمیع الحق صاحب نے مجھے خود فرمایا تھا (جو بعد میں ماہنامہ "الحق" میں شائع ہوا) کہ میں نے ممکن کوشش کی ہے کہ عالمی رائے عامہ، امریکی حکومت اور وہاں کی مسلم لابی کو اس بات پر قائل کروں کہ افغانستان میں صرف اور صرف کامیاب و کامران حکومت مجاہدین کا سات جماعتی اتحاد ہی بنا سکتا ہے۔ اور مسئلہ افغانستان کا واحد حل نظامِ اسلام ہے اور یہ اتنے بڑے طویل عرصہ تک کی عظیم قربانیاں صرف اس لیے نہیں تھیں کہ غیر ملکی فوجیں افغان سرزمین سے نکل جائیں۔ اس عظیم جہاد کا پس منظر صرف اور صرف جذبۂ ایمان و اسلام تھا۔ اور یہی اس مسئلے کا واحد حل ہے کہ افغانستان کی عبوری حکومت کو فوراً تسلیم کیا جائے اور وہاں مکمل طور پہ نظامِ اسلام رائج ہو۔

چنانچہ اسی مقصد کے پیشِ نظر مولانا سمیع الحق مدظلہ نے خاموش سفارتی مہم شروع کی اور امریکہ تشریف لے گئے جہاں انہوں نے امریکن کانگریس سینٹ میں ری پبلکن ڈیموکریٹک پارٹی کے اہم ارکان سینیٹر گارڈن ہمفرے اور کانگریس میں بیل مکالم، مسٹر چارلس ولسن سے الگ الگ تفصیلی ملاقاتیں کیں اور امریکی وزارتِ خارجہ کے ذمہ داروں سے گفتگو کی، امریکہ کے مختلف شہروں میں استقبالیوں اور تقریبات میں خطابات کے علاوہ امریکی ٹیلیویژن کو مفصل انٹرویو دیا، جسے وائس آف امریکہ نے بھی نشر کیا۔ اور الحمدللہ مولانا سمیع الحق مدظلہ کی یہ خاموش سفارتی مہم بڑی حد تک کامیاب ہوئی جس سے اعلیٰ امریکی حکام کو افغان مسئلہ میں پاکستانی مؤقف سمجھنے میں کافی مدد ملی۔

مولانا سمیع الحق کا یہ کردار اور حضرتؒ کی تمام علمی اور روحانی اولاد کی تمام مساعی میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کا برابر کا حصہ ہے اور یہ ایک ایسا صدقۂ جاریہ ہے جسے قیامت تک تسلسل حاصل ہے۔

سلسلۂ مطبوعات (۴۲)

تحریکِ آزادیٔ ہند المعروف تحریکِ ریشمی رومال
کا ایک روشن باب

اسیرِ مالٹا
حضرت مولانا عزیر گلؒ

تذکرہ و سوانح اور سیرت و افکار

مولانا عبدالقیوم حقانی
رفیق مؤتمر المصنفین و استاذ دار العلوم حقانیہ

ادارۃ العلم والتحقیق

اکوڑہ خٹک، ضلع نوشہرہ، سرحد۔ پاکستان